

Tafheemul Quran
in Colors
Arabic Urdu
093 Ad Duha
Syed Abul Aala Maududi
Evergreen Islamic Center

الضُّحَى

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

نام

پہلے ہی لفظ والضحیٰ کو اس سورت کا نام قرار دیا گیا ہے۔

زمانہ نزول

اس کا مضمون صاف بتا رہا ہے کہ یہ مکہ معظمہ کے بالکل ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہے۔ روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ کچھ مدت تک وحی کے نزول کا سلسلہ بند رہا تھا جس سے حضور سخت پریشان ہو گئے تھے اور بار بار آپ کو یہ اندیشہ لاحق ہو رہا تھا کہ ہمیں مجھ سے کوئی ایسا قصور تو نہیں ہو گیا جس کی وجہ سے میرا رب مجھ سے ناراض ہو گیا ہے اور اس نے مجھے چھوڑ دیا ہے۔ اس پر آپ کو اطمینان دلایا گیا کہ وحی کے نزول کا سلسلہ کسی

ناراضی کی بنا پر نہیں روکا گیا تھا، بلکہ اس میں وہی مصلحت کارفرما تھی جو روزِ روشن کے بعد رات کا سکون طاری کرنے میں کارفرما ہے۔ یعنی وحی کی تیز روشنی اگر آپ پر برابر پڑتی رہتی تو آپ کے اعصاب اسے برداشت نہ کر سکتے۔ اس لیے بیچ میں وقفہ دیا گیا تاکہ آپ کو سکون مل جائے۔ یہ کیفیت حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر نبوت کے ابتدائی دور میں گزرتی تھی جبکہ ابھی آپ کو وحی کے نزول کی شدت برداشت کرنے کی عادت نہیں پڑی تھی، اس بنا پر بیچ بیچ میں وقفہ دینا ضروری ہوتا تھا۔ (نزول وحی کا کس قدر شدید بار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعصاب پر پڑتا تھا اس کے لیے دیکھیے مضمون سورۃ مدثر اور مطالعہ کیجیے سورۃ منزل) بعد میں جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اندر اس بار کو برداشت کرنے کا تحمل پیدا ہو گیا تو طویل وقفے دینے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

موضوع اور مضمون

اس کا موضوع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دینا ہے اور مقصد اُس پریشانی کو دور کرنا ہے جو نزولِ وحی کا سلسلہ رک جانے سے آپ کو لاحق ہو گئی تھی۔ سب سے پہلے روزِ روشن اور سکونِ شب کی قسم کھا کر آپ کو اطمینان دلایا گیا ہے کہ آپ کے رب نے آپ کو ہرگز نہیں چھوڑا ہے اور نہ وہ آپ سے ناراض ہوا ہے۔ اس کے بعد آپ کو خوشخبری دی گئی ہے کہ دعوتِ اسلامی کے ابتدائی دور میں جن شدید مشکلات سے آپ کو سابقہ پیش آ رہا ہے یہ تھوڑے دنوں کی بات ہے۔ آپ کے لیے ہر بعد کا دور پہلے دور سے بہتر ہوتا چلا جائے گا اور کچھ زیادہ دیر نہ گزرے گی کہ اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی عطا و بخشش کی ایسی بارش کرے گا جس سے آپ خوش ہو جائیں گے۔ یہ قرآن کی ان صریح پیشگوئیوں میں سے ایک ہے جو بعد میں حرفِ محرف پوری ہوئیں، حالانکہ جس وقت یہ پیشگوئی کی گئی تھی اس وقت ہمیں دور دور بھی اس کے آثار نظر نہ آتے تھے کہ مکہ میں جو بے یار و مددگار انسان پوری قوم کی جاہلیت کے مقابلے میں برسہا برس پیکار ہو گیا ہے اسے اتنی حیرت انگیز کامیابی نصیب ہوگی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا ہے کہ تمہیں یہ پریشانی کیسے لاحق ہو گئی کہ ہم نے تمہیں چھوڑ دیا ہے اور ہم تم سے ناراض ہو گئے ہیں۔ ہم تو تمہارے روزِ پیدائش سے مسلسل

تم پر مہربانیاں کرتے چلے آ رہے ہیں۔ تم یتیم پیدا ہوئے تھے، ہم نے تمہاری پرورش اور خبر گیری کا بہترین انتظام کر دیا۔ تم ناواقفِ راہ تھے، ہم نے تمہیں راستہ بتایا۔ تم نادار تھے، ہم نے تمہیں مالدار بنایا۔ یہ ساری باتیں صاف بتا رہی ہیں کہ تم ابتدا سے ہمارے منظور نظر ہو اور ہمارا فضل و کرم مستقل طور پر تمہارے شامل حال ہے۔ اس مقام پر سورہ طہ آیات 37 تا 42 کو بھی نگاہ میں رکھا جائے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون جیسے جبار کے مقابلہ میں بھیجتے وقت اللہ تعالیٰ نے ان کی پریشانی دور کرنے کے لیے انہیں بتایا ہے کہ کس طرح تمہاری پیدائش کے وقت سے ہماری مہربانیاں تمہارے شامل حال رہی ہیں، اس لیے تم اطمینان رکھو کہ اس خوفناک مہم میں تم اکیلے نہ ہو گے بلکہ ہمارا فضل تمہارے ساتھ ہوگا۔

آخر میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا ہے کہ جو احسانات ہم نے تم پر کیے ہیں ان کے جواب میں خلق خدا کے ساتھ تمہارا برتاؤ کیا ہونا چاہیے، اور ہماری نعمتوں کا شکر تمہیں کس طرح ادا کرنا چاہیے۔

اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

1- قسم ہے آفتاب کی روشنی کی۔^{*1}

وَالضُّحٰی

^{*1} یہاں لفظ ضحیٰ رات کے مقابلہ میں استعمال ہوا ہے اس لیے اس سے مراد روز روشن ہے۔ اس کی نظیر سورہ اعراف کی یہ آیات ہیں۔ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰی اَنْ یَّآتِیْہُمْ بِاسْنَابِیَاتًا وَّہُمْ نَائِمُوْنَ، اَوْ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰی اَنْ یَّآتِیْہُمْ بِاسْنَا ضُحٰی وَّہُمْ یَلْعَبُوْنَ (۹۷-۹۸) ”کیا بستیوں کے لوگ اس سے بے خوف ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب رات کو آجائے جبکہ وہ سو رہے ہوں؟ اور کیا بستیوں کے لوگ اس سے بے خوف ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن دہاڑے آجائے جبکہ وہ کھیل رہے ہوں؟“ ان آیات میں بھی چونکہ ضحیٰ کا لفظ رات کے مقابلہ میں استعمال ہوا ہے اس لیے اس سے مراد پاشت کا وقت نہیں بلکہ دن ہے۔

2- اور رات کی جب وہ چھا جائے۔^{*2}

وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی

2* اصل میں رات کے لیے لفظ سحی استعمال ہوا ہے جس میں صرف تاریکی چھا جانے ہی کا نہیں بلکہ سکوت اور سکون طاری ہو جانے کا مفہوم بھی شامل ہے۔ رات کی اس صفت کا اُس مضمون سے گہرا تعلق ہے جو آگے بیان ہو رہا ہے۔

3- نہ تو چھوڑ دیا تمکو (اے نبی ﷺ) تمہارے رب نے اور نہ ہی ناراض ہوا۔*

مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ ۝

3* روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ مدت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول بند رہا تھا۔ مختلف روایات میں یہ مدت مختلف بیان کی گئی ہے۔ ابن جریج نے ۱۲ روز، کلبی نے ۱۵ روز، ابن عباسؓ نے ۲۵ روز، سدی اور مقاتل نے ۴۰ روز اس کی مدت بیان کی ہے۔ بہر حال یہ زمانہ اتنا طویل تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس پر سخت غمگین ہو گئے تھے اور مخالفین بھی آپ کو طعنے دینے لگے تھے، کیونکہ حضور پر جو نئی سورت نازل ہوتی تھی اسے آپ لوگوں کو سنایا کرتے تھے، اس لیے جب اچھی خاصی مدت تک آپ نے کوئی نئی وحی لوگوں کو نہیں سنائی تو مخالفین نے سمجھ لیا کہ وہ سرچشمہ بند ہو گیا ہے جہاں سے یہ کلام آتا تھا۔ جنڈب بن عبد اللہ الجہلی کی روایت ہے کہ جب جبریل علیہ السلام کے آنے کا سلسلہ رک گیا تو مشرکین نے کہنا شروع کر دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان کے رب نے چھوڑ دیا ہے (ابن جریر، طبرانی، عبد بن حمید، سعید بن منصور، ابن مردؤیہ)۔ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابولسب کی بیوی امّ جمیل نے، جو حضور کی چچی ہوتی تھی اور جس کا گھر حضور کے مکان سے متصل تھا، آپ سے کہا ”معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے شیطان نے تمہیں چھوڑ دیا ہے“۔ عوفی اور ابن جریر نے ابن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے کہ کئی روز تک جبریل کی آمد رک جانے سے حضور پریشان ہو گئے اور مشرکین کہنے لگے کہ ان کا رب ان سے ناراض ہو گیا ہے اور اس نے انہیں چھوڑ دیا ہے۔ قتادہ اور ضحاک کی مرسل روایات میں بھی قریب قریب یہی مضمون بیان ہوا ہے۔ اس صورت حال میں حضور کے شدید رنج و غم کا حال بھی متعدد روایات میں آیا ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ محبوب کی طرف سے بظاہر عدم التفات، کفر و ایمان کے درمیان جنگ چھڑ جانے کے بعد اسی ذریعہ طاقت سے بظاہر محرومی جو اس جاں گسل کشمکش کے منجھار میں آپ کے لیے واحد سہارا تھا، اور اُس پر مزید

دستمنوں کی شماتت، یہ ساری چیزیں مل جل کر لا محالہ حضور کے لیے سخت پریشانی کا موجب ہو رہی ہوں گی اور آپ کو بار بار یہ شبہ گزرتا ہو گا کہ کہیں مجھ سے کوئی ایسا تصور تو نہیں ہو گیا ہے کہ میرا رب مجھ سے ناراض ہو گیا ہو اور اس نے مجھے حق و باطل کی اس لڑائی میں تنہا چھوڑ دیا ہو۔

اسی کیفیت میں یہ سورہ حضور کو تسلی دینے کے لیے نازل ہوئی۔ اس میں دن کی روشنی اور رات کے سکون کی قسم کھا کر حضور سے فرمایا گیا کہ تمہارے رب نے نہ تمہیں چھوڑ دیا ہے اور نہ وہ تم سے ناراض ہوا ہے۔ اس بات پر ان دونوں چیزوں کی قسم جس مناسبت سے کھائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ جس طرح دن کا روشن ہونا اور رات کا تاریکی اور سکون لیے ہوئے چھا جانا کچھ اس بنا پر نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ دن کے وقت لوگوں سے خوش اور رات کے وقت ان سے ناراض ہو جاتا ہے، بلکہ یہ دونوں حالتیں ایک عظیم حکمت و مصلحت کے تحت طاری ہوتی ہیں، اسی طرح تم پر کبھی وحی بھیجنا اور کبھی اس کو روک لینا بھی حکمت و مصلحت کی بنا پر ہے، اس کو کوئی تعلق اس بات سے نہیں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تم سے خوش ہو تو وحی بھیجے، اور جب وہ وحی نہ بھیجے تو اس کے معنی یہ ہوں کہ وہ تم سے ناخوش ہے اور اس نے تمہیں چھوڑ دیا ہے۔ اس کے علاوہ دوسری مناسبت اس مضمون سے اس قسم کی یہ ہے کہ جس طرح دن کی روشنی اگر مسلسل آدمی پر طاری رہے تو وہ اسے تھکا دے، اس لیے ایک وقت خاص تک دن کے روشن رہنے کے بعد رات کا آنا ضروری ہے تاکہ اس میں انسان کو سکون ملے، اسی طرح وحی کی روشنی اگر تم پر پے در پے پڑتی رہے تو تمہارے اعصاب اس کو برداشت نہ کر سکیں گے، اس لیے کبھی نزول وحی کا سلسلہ رک جانے کا ایک زمانہ فترتہ بھی اللہ تعالیٰ نے مصلحت کی بنا پر رکھا ہے تاکہ وحی کے نزول سے جو بار تم پر پڑتا ہے اس کے اثرات زائل ہو جائیں اور تمہیں سکون حاصل ہو جائے۔ گویا آفتاب وحی کا طلوع بمنزلہ روز روشن اور زمانہ فترتہ بمنزلہ سکونِ شب ہے۔

4- اور بیشک آخرت بہتر ہے تمہارے لئے
دنیا سے۔

وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ ۗ

*4 یہ خوشخبری اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی حالت میں دی تھی جبکہ چند مٹھی بھر آدمی آپ کے ساتھ تھے، ساری قوم آپ کی مخالف تھی، بظاہر کامیابی کے آثار دُور دُور کہیں نظر نہ آتے تھے۔ اسلام

کی شمع مکہ ہی میں مُٹھا رہی تھی اور اسے بجھا دینے کے لیے ہر طرف طوفان اٹھ رہے تھے۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے فرمایا کہ ابتدائی دور کی مشکلات سے آپ ذرا پریشان نہ ہوں۔ ہر بعد کا دور پہلے دور سے آپ کے لیے بہتر ثابت ہوگا۔ آپ کی قوت، آپ کی عزت و شوکت اور آپ کی قدر و منزلت برابر بڑھتی چلی جائے گی اور آپ کا نفوذ و اثر پھیلتا چلا جائے گا۔ پھر یہ وعدہ صرف دنیا ہی تک محدود نہیں ہے، اس میں یہ وعدہ بھی شامل ہے کہ آخرت میں جو مرتبہ آپ کو ملے گا وہ اُس مرتبے سے بھی بدرجہا بڑھ کر ہوگا جو دنیا میں آپ کو حاصل ہوگا۔ طبرانی نے اوسط میں اور بیہقی نے دلائل میں ابن عباس کی روایت نقل کی ہے کہ حضور نے فرمایا ”میرے سامنے وہ تمام فتوحات پیش کی گئیں جو میرے بعد میری امت کو حاصل ہونے والی ہیں۔ اس پر مجھے بڑی خوشی ہوئی، تب اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نازل فرمایا کہ آخرت تمہارے لیے دنیا سے بھی بہتر ہے۔“

5- اور عنقریب عطا فرمائے گا تمہارا رب (اتنا کچھ) کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ﴿٥﴾

5* یعنی اگرچہ دینے میں کچھ دیر لگے گی، لیکن وہ وقت دُور نہیں ہے جب تم پر تمہارے رب کی عطا و بخشش کی وہ بارش ہوگی کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔ یہ وعدہ حضور کی زندگی ہی میں اس طرح پورا ہوا کہ سارا ملک عرب جنوب کے سواحل سے لے کر شمال میں سلطنت روم کی شامی اور سلطنت فارس کی عراقی سرحدوں تک، اور مشرق میں خلیج فارس سے لے کر مغرب میں بحر احمر تک آپ کے زیر نگیں ہو گیا، عرب کی تاریخ میں پہلی مرتبہ یہ سرزمین ایک قانون اور ضابطہ کی تابع ہو گئی، جو طاقت بھی اس سے ٹکرانی وہ پاش پاش ہو کر رہ گئی، کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ سے وہ پورا ملک گونج اٹھا جس میں مشرکین اور اہل کتاب اپنے جھوٹے کلمے بلند رکھنے کے لیے آخری دم تک ایڑی چوٹی کا زور لگا چکے تھے، لوگوں کے صرف سر ہی اطاعت میں نہیں جھک گئے بلکہ ان کے دل بھی مسخر ہو گئے اور عقائد، اخلاق اور اعمال میں ایک انقلاب عظیم برپا ہو گیا۔ پوری انسانی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی کہ ایک جاہلیت میں ڈوبی ہوئی قوم صرف ۲۳ سال کے اندر اتنی بدل گئی ہو۔ اس کے بعد حضور کی برپا کی ہوئی تحریک اس طاقت کے ساتھ اُٹھی کہ ایشیاء، افریقہ اور یورپ کے

ایک بڑے حصے پر وہ چھاگئی اور دنیا کے گوشے گوشے میں اس کے اثرات پھیل گئے۔ یہ کچھ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو دنیا میں دیا، اور آخرت میں جو کچھ دے گا اس کی عظمت کا تصور بھی کوئی نہیں کر سکتا۔ (نیز دیکھو جلد سوم، طہ، حاشیہ ۱۱۲)۔

6- کیا نہیں پایا اس نے تمہیں یتیم پھر ٹھکانہ دیا

الْمُيْتِمَ فَاَوَىٰ

*6 یعنی تمہیں چھوڑ دینے اور تم سے ناراض ہو جانے کا کیا سوال، ہم تو اُس وقت سے تم پر مہربان ہیں جب تم یتیم پیدا ہوئے تھے۔ حضور ابھی بطنِ مادر ہی میں چھ مہینے کے تھے جب آپ کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا اس لیے آپ دنیا میں یتیم ہی کی حیثیت سے تشریف لائے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ایک دن بھی آپ کو بے سہارا نہ چھوڑا۔ چھ سال کی عمر تک والدہ ماجدہ آپ کی پرورش کرتی رہیں۔ ان کی شفقت سے محروم ہونے تو ۸ سال کی عمر تک آپ کے جد امجد نے آپ کو اس طرح پالا کہ ان کو نہ صرف آپ سے غیر معمولی محبت تھی بلکہ ان کو آپ پر فخر تھا اور وہ لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ میرا یہ بیٹا ایک دن دنیا میں بڑا نام پیدا کرے گا۔ ان کا بھی انتقال ہو گیا تو آپ کے حقیقی چچا ابو طالب نے آپ کی کفالت اپنے ذمے لی اور آپ کے ساتھ ایسی محبت کا برتاؤ کیا کہ کوئی باپ بھی اس سے زیادہ نہیں کر سکتا، حتیٰ کہ نبوت کے بعد جب ساری قوم آپ کی دشمن ہو گئی تھی اس وقت دس سال تک وہی آپ کی حمایت میں سینہ سپر رہے۔

7- اور پایا تمہیں ناواقف تو سیدھا راستہ دکھایا۔

وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ

*7 اصل میں لفظ ضَالًّا استعمال ہوا ہے جو ضلالت سے ہے۔ عربی زبان میں یہ لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کے ایک معنی گمراہی کے ہیں۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص راستہ نہ جانتا ہو اور ایک جگہ حیران کھڑا ہو کے مختلف راستے جو سامنے ہیں ان میں سے کدھر جاؤں۔ ایک اور معنی کھونے ہونے کے ہیں، چنانچہ عربی محاورے میں کہتے ہیں ضَلَّ الْمَاءُ فِي اللَّبَنِ، پانی دودھ میں گم ہو گیا۔ اُس درخت کو بھی عربی میں

خِصَالہ کہتے ہیں جو صحرا میں اکیلا کھڑا ہو اور آس پاس کوئی دوسرا درخت نہ ہو۔ ضائع ہونے کے لیے بھی ضلال کا لفظ بولا جاتا ہے، مثلاً کوئی چیز ناواقف اور ناسازگار حالات میں ضائع ہو رہی ہو۔ غفلت کے لیے بھی ضلال کا لفظ استعمال ہوتا ہے، چنانچہ خود قرآن مجید میں اس کی مثال موجود ہے کہ لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنسَى، (طہ۔ ۵۲)۔ ”میرا رب نہ غافل ہوتا ہے نہ بھولتا ہے۔“ ان مختلف معنوں میں سے پہلے معنی یہاں چپاں نہیں ہوتے، کیونکہ بچپن سے قبل نبوت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو حالات تاریخ میں موجود ہیں ان میں کہیں اس بات کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا کہ آپ کبھی بت پرستی، شرک یا ذہریت میں مبتلا ہوئے ہوں، یا جاہلیت کے جو اعمال، رسم اور طور طریقے آپ کی قوم میں پائے جاتے تھے ان میں سے کسی میں آپ ملوث ہوئے ہوں۔ اس لیے لا محالہ وَوَجَدَكَ ضَالًّا کے یہ معنی تو نہیں ہو سکتے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عقیدے یا عمل کے لحاظ سے گمراہ پایا تھا۔ البتہ باقی معنی کسی نہ کسی طور پر یہاں مراد ہو سکتے ہیں، بلکہ ہو سکتا ہے کہ ایک ایک اعتبار سے سب مراد ہوں۔ نبوت سے پہلے حضور اللہ کی ہستی اور اُس کی وحدانیت کے قائل تو ضرور تھے، اور آپ کی زندگی گناہوں سے پاک اور فضائل اخلاق سے آراستہ بھی تھی، لیکن آپ کو دین حق اور اس کے اصول اور احکام کا علم نہ تھا، جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ (الشوریٰ، آیت ۵۲)۔ ”تم نہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور نہ ایمان کی تمہیں کوئی خبر تھی۔“ یہ معنی بھی اس آیت کے ہو سکتے ہیں کہ حضور ایک جاہلی معاشرے میں گم ہو کر رہ گئے تھے اور ایک ہادی و رہبر ہونے کی حیثیت سے آپ کی شخصیت نبوت سے پہلے نمایاں نہیں ہو رہی تھی۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جاہلیت کے صحراء میں آپ ایک اکیلے درخت کی حیثیت سے کھڑے تھے جس میں پھل لانے اور ایک پورا باغ کا باغ پیدا کر دینے کی صلاحیت تھی مگر نبوت سے پہلے یہ صلاحیت کام نہیں آرہی تھی۔ یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو غیر معمولی قوتیں آپ کو عطا کی تھیں وہ جاہلیت کے ناسازگار ماحول میں ضائع ہو رہی تھیں۔ ضلال کو غفلت کے معنی میں بھی لیا جاسکتا ہے، یعنی آپ ان حقائق اور علوم سے غافل تھے جن سے نبوت کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو آگاہ فرمایا۔ یہ بات خود قرآن میں بھی ایک جگہ ارشاد

ہوتی ہے: وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ (یوسف ۳) ” اور اگرچہ تم اس سے پہلے ان باتوں سے غافل تھے۔“ (نیز ملاحظہ ہو البقرہ آیت ۲۸۲، اور الشعراء آیت ۲۰)۔

8- اور پایا تمہیں تنگ دست تو غنی کر دیا۔

وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَى ط

8* نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آپ کے والد ماجد نے میراث میں صرف ایک اونٹنی اور ایک لونڈی چھوڑی تھی۔ اس طرح آپ کی زندگی کی ابتداء افلاس کی حالت میں ہوئی تھی۔ پھر ایک وقت آیا کہ قریش کی سب سے زیادہ مالدار خاتون حضرت خدیجہؓ نے پہلے تجارت میں آپ کو اپنے ساتھ شریک کیا، اس کے بعد انہوں نے آپ سے شادی کر لی اور ان کے تمام تجارتی کاروبار کو آپ نے سنبھال لیا۔ اس طرح آپ نہ صرف یہ کہ مال دار ہو گئے، بلکہ آپ کی مالدار سی اس نوعیت کی نہ تھی کہ محض بیوی کے مال پر آپ کا انحصار ہو۔ ان کی تجارت کو فروغ دینے میں آپ کی اپنی محنت و قابلیت کا بڑا حصہ تھا۔

9- پس یہ کہ جو ہوا یتیم تو نہ ستم کرنا۔

فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ ط

9* یعنی تم چونکہ خود یتیم رہ چکے ہو، اور اللہ نے تم پر یہ فضل فرمایا کہ یتیمی کی حالت میں بہترین طریقے سے تمہاری دستگیری کی، اس لیے اس کا شکر انا یہ ہے کہ تمہارے ہاتھ سے کبھی کسی یتیم پر ظلم اور زیادتی نہ ہونے پائے۔

10- اور یہ کہ جو ہوا مانگنے والا تو نہ جھڑکی دینا۔

وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ ط

10* اس کے دو معنی ہیں۔ اگر سائل کو مدد مانگنے والے حاجت مند کے معنی میں لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اُس کی مدد کر سکتے ہو تو کر دو، نہ کر سکتے ہو تو نرمی کے ساتھ معذرت کر دو، مگر بہر حال اُسے جھڑکو نہیں۔ اس معنی کے لحاظ سے یہ ہدایت اللہ تعالیٰ کے اس احسان کے جواب میں ہے کہ ”تم نادار تھے پھر اُس نے تمہیں مالدار کر دیا۔“ اور اگر سائل کو پوچھنے والے، یعنی دین کا کوئی مسئلہ یا حکم دریافت کرنے والے کے معنی میں لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص خواہ کیسا ہی جاہل اور اُجڑ ہو، اور بظاہر خواہ کتنا ہی نا

معقول طریقے سے سوال کرے یا اپنے ذہن کی اُجھن پیش کرے، بہر حال شفقت کے ساتھ اُسے جواب دو اور علم کا زعم رکھنے والے بد مزاج لوگوں کی طرح اُسے جھڑک کر دُور نہ بھگا دو۔ اِس معنی کے لحاظ سے اس ارشاد پر حضرت ابو الدرداء، حن بصری، سفیان، ثوری اور بعض دوسرے بزرگوں نے اِسی دوسرے معنی کو ترجیح دی ہے کیونکہ ترتیبِ کلام کے لحاظ سے یہ ارشاد وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ کے جواب میں آتا ہے۔

11- اور یہ کہ جو نعمت ہے تیرے رب کی تو اس کا بیان کرتے رہنا۔

وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿۱۱﴾

11* نعمت کا لفظ عام ہے جس سے مراد وہ انعامات بھی ہیں جو اس سورہ کے نزول کے وقت تک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولِ پاک کو عطا فرمائی تھیں، اور وہ انعامات بھی جو بعد میں اُس نے اپنے اُن وعدوں کے مطابق آپ کو عطا کیں جو اس سورہ میں اُس نے کیے تھے اور جن کو اُس نے بدرجہ اتم پورا کیا۔ پھر حکم یہ ہے کہ اے نبی، ہر نعمت جو اللہ نے تم کو دی ہے اُس کا ذکر اور اُس کا اظہار کرو۔ اب یہ ظاہر بات ہے کہ نعمتوں کے ذکر اور اظہار کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں اور ہر نعمت اپنی نوعیت کے لحاظ سے اظہار کی ایک خاص صورت چاہتی ہے۔ مجموعی طور پر تمام نعمتوں کے اظہار کی صورت یہ ہے کہ زبان سے اللہ کا شکر ادا کیا جائے اور اس بات کا اقرار و اعتراف کیا جائے کہ جو نعمتیں بھی مجھے حاصل ہیں یہ سب اللہ کا فضل و احسان ہیں ورنہ کوئی چیز بھی میرے کسی ذاتی کمال کا نتیجہ نہیں ہے۔ نعمتِ نبوت کا اظہار اس طریقہ سے ہو سکتا ہے کہ دعوت و تبلیغ کا حق ادا کیا جائے۔ نعمتِ قرآن کے اظہار کی صورت یہ ہے کہ لوگوں میں زیادہ سے زیادہ اُس کی اشاعت کی جائے اور اس کی تعلیمات لوگوں کے ذہن نشین کی جائیں۔ نعمتِ ہدایت کا اظہار اس طرح ہو سکتا ہے کہ اللہ کی بھٹکی ہوئی مخلوق کو سیدھا راستہ بتایا جائے اور اس کام کی ساری تلخیوں اور ترشیوں کو صبر کے ساتھ برداشت کیا جائے۔ یتیمی میں دستگیری کا جو احسان اللہ تعالیٰ نے کیا ہے اس کا تقاضا یہی ہے کہ یتیموں کے ساتھ ویسے ہی احسان کا سلوک کیا جائے۔ نادار سے مالدار بنا دینے کا جو احسان اللہ نے کیا اُس کا اظہار یہی صورت چاہتا ہے کہ اللہ کے محتاج بندوں کی مدد کی جائے۔ غرض یہ ایک بڑی جامع ہدایت تھی جو اللہ تعالیٰ

نے اپنے انعامات و احسانات بیان کرنے کے بعد اس فقرے میں اپنے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو دی

